بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

تحریکِ آزادی کشمیر: موجودہ مرحلہ اور ہماری ذمہ داری

پروفیسر خورشید احمد - سلیم منصور خالد

مسئلہ کشمیر کسی 'زمینی تنازع' کا نام نہیں اور نہ یہ دو ملکوں کے درمیان جوع الارض کی کسی لڑائی کا شاخسانہ ہے۔ یہ ایک کروڑ ۳۰ لاکھ انسانوں کی آزادی اور حقِ خود ارادیت کا مسئلہ ہے، جن کی ریاست کے بڑے حصّے پر ایک سامراجی ملک بھارت نے محض طاقت کے بل پر، فوج کشی کے ذریعے قبضہ کر کے تقسیم ہند کے ایجنڈے کی تکمیل کو سبوتاژ کیا ہے۔ وہ قوت کے ذریعے آج بھی نہ صرف اس پر قابض ہے بلکہ اس نے اپنے دستور کی دو دفعات (۳۵-الف، اور دفعہ ۳۷۰) کو تبدیل کرنے کے لیے، ترمیمی ضابطے کی کھلی خلاف ورزی کی ہے اور سیاسی عہد و پیمان کا خون کر کے ضم کرنے کا خطرناک کھیل کھیلا ہے۔ جس کے نتیجے میں مقبوضہ جموں و کشمیر، بدترین کرفیو اور شہری و کاروباری زندگی کی مکمل معطلی سے دوچار کیا جاچکا ہے۔ پوری ریاست کے مظلوم، نہتے اور بے نوا شہری ۹ لاکھ بھارتی مسلح فوجیوں کی سنگینوں تلے ایک ہولناک اجتماعی جیل خانے (Collective Prison) کی چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہے ہیں۔ لیکن آفرین ہے کہ ان کی تحریک مزاحمت اور آزادی کی جدوجہد نہ صرف جاری ہے بلکہ وہ ایک فیصلہ کن موڑ کی طرف بڑھ رہی ہے۔

یہ غاصب ملک خود اپنے وعدوں اور اقوام متحدہ کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی بے مثال جدوجہد آزادی اور قربانیوں کو یکسر نظرانداز کر کے فسطائی اور سامراجی فلسفے کی بالادستی قائم کرنے پر بضد ہے۔ اقوام متحدہ بہ حیثیت ادارہ بدستور بزدلانہ لاتعلقی اور مجرمانہ روش پر قائم ہے اور لفظی لیپاپوتی

سے زیادہ ایک قدم آگے بڑھنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ کشمیر میں اقوامِ متحدہ کے مبصروں کی موجودگی اور مسئلے کے اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر موجود رہنے کے باوجود، ۷۲ برسوں سے اس مسئلے کے حل کے لیے عملی کوششوں سے دست کش ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کی قراردادیں قصۂ پارینہ ہیں اور اس عالمی تنظیم کو اپنے چارٹر کے تحت قیامِ امن اور تصفیہ طلب تنازعات کی دفعات سے بھی کوئی غرض نہیں۔ اب لے دے کے دوطرفہ مذاکرات کے وعظ اور اپیلوں کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں، اور ان کا بھارت کی طرف سے وہی ایک جواب ہوگا کہ ''پہلے فضا سازگار ہو''۔ یعنی وہ فضا کہ جو خود بھارت کی سفاکی نے خراب کی ہے۔

بھارت کی اصل دل چسپی مسئلہ کشمیر کے حل سے نہیں، صرف اس دباؤ سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہوگی، جو ۳۰ سالہ تحریکِ جہاد نے اس پر ڈالا ہے اور جس کے نتیجے میں بھارت کی فوج اور ایک حد تک سوچنے سمجھنے والے سیاسی عناصر کسی راہِ نجات کی تلاش میں ہیں۔ بھارتی قیادت پوری عیاری کے ساتھ اصل اسباب کی طرف رجوع کرنے کے بجاے 'دہشت گردی'، 'انتہاپسندی' کا راگ الاپ رہی ہے، اور امریکا اور بہت سے مغربی سیاست کار بھی اسی آواز میں آواز ملاتے نظر آرہے ہیں۔ یہ سب نہ نیا ہے اور نہ غیر متوقع، البتہ سب سے تشویش ناک پہلو پاکستان کے کچھ رہنماؤں کے متعدد متضاد بیانات اور صحافت کے کچھ قلم کاروں کی مغالطہ انگیز خلافِ جہاد مہم ہے، جس کا بروقت نوٹس لینا بہت ضروری ہے۔

امریکا، بھارت، اسرائیل اور ان کے حواریوں نے ایک عرصے سے جہاد کے خلاف ایک عالم گیر مہم چلا رکھی ہے اور اسے 'دہشت گردی' اور 'تشدد' کے ہم معنی قرار دیا جارہا ہے۔ اس پر ستم یہ ہے کہ خود پاکستان کی انگریزی صحافت میں 'مجاہد' کو اب 'جہادی' اور 'دہشت گرد' بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور دفاع پر اخراجات کو غربت اور پس ماندگی کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔ کبھی دینی مدارس پر پابندیوں کی باتیں کی جاتی ہیں، کبھی ان کو دہشت گردی کے مراکز بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

اصولی موقف

اس پس منظر میں امریکی سیاسی اور فوجی قیادتوں کی مداخلت بلکہ مداخلت کرنے کی دعوت اور دبے اور کھلے الفاظ میں کشمیر کے مسئلے کے جلد حل ہوجانے کی ہوائیاں اپنے اندر خطرات رکھتی ہیں۔

اس کھیل میں شامل سابق فوجی افسران ہوں یا سفارت کار، سب کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ کشمیر کے مسئلے پر پاکستانی قوم کا ایک اصولی اور تاریخی موقف ہے جس سے ہٹ کر کسی فرد کو اس قوم کی قسمت سے کھیلنے کا اختیار نہیں۔ کسی کو یہ حق اور مینڈیٹ حاصل نہیں ہے کہ پاکستانی قوم اور مسلمانانِ جموں و کشمیر، قائداعظم سے لے کر آج تک جس موقف پر قائم ہیں اور جس کے لیے انھوں نے بیش بہا قربانیاں دی ہیں اور تنگی اور غربت کے باوجود ایک عظیم الشان فوج کی تمام ضرورتیں پوری کی ہیں اور ملک کو ایک ایٹمی قوت بنایا ہے، وہ اس بارے میں کسی انحراف یا پسپائی یا سمجھوتے کا تصور بھی کرے۔ یہ قوم غریب ہے اور بٹی ہوئی بھی، لیکن جہاں تک کشمیر کے مسئلے کا تعلق ہے یہ اس کے لیے ایمان و اعتقاد اور زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ زمانے اور وقت کی قید کا بھی پابند نہیں۔ اس جدوجہد کے بارآور ہونے میں جتنی مدت بھی لگے، لیکن مسلمانانِ پاکستان اور مسلمانانِ جموں و کشمیر اس علاقے کے مستقبل کو طے کرنے کے لیے اپنے حقِ خود ارادیت سے کم کسی بات کو کبھی قبول نہیں کر سکتے۔

اسی طرح یہ کسی خاص جماعت، گروہ یا طبقے کا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں قوم، قومی سیاسی قیادت اور فوج کے درمیان بھی مکمل ہم آہنگی ہے۔ امریکا کو الگ سے اس عمل میں ملوث کرنے کے طرف دار چند طالع آزماؤں کے سوا کوئی پاکستانی اس بارے میں کسی سمجھوتے کو برداشت نہیں کرے گا۔ ماضی میں بھی، جس کسی نے پاکستانی قوم کے اصولی موقف سے انحراف کی کوشش کی ہے، اس کا حشر عبرت ناک ہوا ہے اور مستقبل بھی ان شاء اللہ اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

خود اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں دفعہ ۲۵۷ میں یہ بات واضح طور پر تحریر ہے:

''جب ریاست جموں و کشمیر کے عوام پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کریں تو پاکستان اور مذکورہ ریاست کے درمیان تعلقات، مذکورہ ریاست کے عوام کی خواہشات کے مطابق متعین ہوں گے''۔

جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہمارے قومی دستور کی رُو سے بھی استصواب رائے ہی کے ذریعے اس ریاست کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہے اور وہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق ہی پاکستان سے ان کا رشتہ اور انتظام و انصرام کا دروبست قائم ہوگا۔ اس موقف میں کوئی تبدیلی یا اس پر کوئی سمجھوتا ممکن نہیں کیوں کہ یہ حق و انصاف پر مبنی اور عالمی قانون اور عہد و پیمان کے مطابق ہے۔

محض غاصبانہ قبضہ، خواہ وہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، اہل جموں وکشمیر کے اس استحقاق کو متاثر نہیں کرسکتا اور پاکستان کے اس موقف کو کمزور یا غیر متعلق نہیں بنا سکتا۔ دستور کی یہ دفعہ اس امر کو واضح کردیتی ہے کہ جموں وکشمیر کی ریاست کی قسمت کا آخری فیصلہ کرنے کا اختیار، صرف وہاں کے عوام کو حاصل ہے۔ اس طرح کشمیر کے تنازعے کے بنیادی فریق پاکستان، بھارت اور کشمیری عوام ہیں۔ یہی وہ پوزیشن ہے جسے اقوام متحدہ کی ۱۸ قراردادوں میں تسلیم کیا گیا ہے۔

کشمیر: تاریخی حقائق

بلاشبہہ پاکستان سے ریاست جموں وکشمیر کے الحاق کے دلائل اور اس کی تاریخی بنیادیں بھی بڑی محکم ہیں۔ جغرافیائی حیثیت سے دونوں کا ملحق ہونا ہی نہیں، سارا فطری اور تہذیبی نظام مشترک ہے۔ دریاؤں کے رُخ اور سڑکوں کے تسلسل، رنگ ونسل کی یکسانی، طریق بودوباش کی وحدت، دین وثقافت، رسوم و رواج، تہذیبی روایات، تاریخی جدوجہد، سیاسی ہم آہنگی، سب نے کشمیر اور پاکستان کو ایک ناقابلِ تقسیم وحدت بنائے رکھا ہے اور ہمیشہ رکھیں گے۔ قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں جموں اور کشمیر کے مسلمان بھی شانہ بشانہ شریک تھے اور اصول تقسیم کی رُو سے ۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء میں کشمیر کی اسمبلی کے منتخب ارکان کی اکثریت نے الحاق پاکستان کا اعلان تک کردیا تھا اور پونچھ اور شمالی علاقہ جات کے مسلمانوں نے باقاعدہ جنگ آزادی لڑکر اپنے کو ڈوگرہ راج سے آزاد اور پاکستان سے وابستہ کیا تھا۔

ہم صرف ان حقائق کی بنیاد پر یہ بات نہیں کر رہے بلکہ اس اصول کو بنیاد بنا رہے ہیں جسے پوری دنیا نے تسلیم کیا ہے، جس کی بنیاد پر خود امریکا کے لوگوں نے برطانیہ کی حکمرانی کے خلاف بغاوت کی تھی اور مسلح جنگ کے ذریعے اپنے لیے اور دنیا کے تمام انسانوں کے لیے حقِ خودارادی کے اصول کا اعلان، 'فلاڈلفیا کے اعلامیے' کی شکل میں کیا تھا۔ اس پر ریاست ہاے متحدہ امریکا کی بنیاد پڑی اور امریکی صدر ووڈرو ولسن نے پہلی جنگ عظیم کے بعد ساری دنیا کی قوموں کے لیے اس کا اعلان کیا تھا۔ اسی اصول پر برعظیم کی تقسیم واقع ہوئی اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہے۔

کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ جموں وکشمیر کے ایک کروڑ ۳۰ لاکھ انسانوں کی قسمت سے کھیلے۔ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں بھی خود یا کسی بیرونی دباؤ سے ان کے مستقبل کو طے نہیں

کرسکیں گی۔ان کی اور عالمی ادارے کی صرف یہ ذمہ داری ہے کہ عالمی انتظام میں غیر جانب دارانہ استصواب کے ذریعے ان کو حقِ خودارادیت کے استعمال کا موقع فراہم کردیں۔اسی حق کی خاطر وہاں کے مسلمان جدوجہد کر رہے ہیں۔ جب ان کے لیے سیاسی اور پُرامن جدوجہد کے تمام دروازے بند کر دیے گئے تو اسلام اور بین الاقوامی قانون کے تحت اپنے اسی حق کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مسلح جہاد کا آغاز کیا۔یہی وہ جدوجہد ہے جس نے آج بھارت کو اور عالمی رائے عامہ کو اسے ایک زندہ انسانی مسئلہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا ہے۔محض امن، غربت سے نجات، ایٹمی جنگ کے خطرات سے بچاؤ اور عالمی کمیونٹی کی خواہشات کے نام پر کسی کنٹرول لائن کو (جس کی کوئی قانونی اور اخلاقی حیثیت نہیں) مستقل سرحد میں بدلنے یا تقسیم ریاست کے کسی منصوبے کو جموں وکشمیر کے عوام پر مسلط کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ یہ مسئلے کا حل نہیں، اسے مزید بگاڑنے اور دائمی فساد کی بنیاد رکھنے کے مترادف ہوگا۔آزادی کی قوتوں کو خاموش یا کمزور کرنے کی ہر کوشش خدا اور خلق دونوں سے غداری کے مترادف ہے۔

اس لیے مغربی یا بڑی طاقتوں کے دباؤ پر کوئی مذاکرات اس وقت تک بامعنی اور نتیجہ خیز نہیں ہوسکیں گے، جب تک:

۱- بھارت صاف الفاظ میں اس حقیقت کو تسلیم نہ کرے کہ کشمیر ایک متنازعہ مسئلہ ہے جس کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے عوام اپنی آزاد مرضی سے اقوامِ متحدہ کی قراردادوں اور بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کے وعدوں کے مطابق کریں گے۔

۲- مذاکرات کا اصل مقصد ان کی رائے کو معلوم کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر آج کے حالات کے مطابق عمل درآمد اور اس کے لیے مناسب انتظام اور اقدامات ہوگا۔

۳- استصواب کے لیے ایک ہی قانونی، سیاسی اور اخلاقی فریم ورک ہے اور وہ اقوام متحدہ کی ۱۳/اگست ۱۹۴۸ء، ۵ جنوری ۱۹۵۱ء اور ۲۴ جنوری ۱۹۵۷ء کی قراردادیں ہیں۔البتہ پاکستان، بھارت اور جموں وکشمیر کے عوامی نمایندوں کی ذمہ داری ہے کہ سہ فریقی مذاکرات کے ذریعے ایک متفقہ لائحہ عمل حقِ خودارادیت کے استعمال کے لیے طے کریں اور جو فیصلہ بھی وہاں کے عوام کریں اسے کھلے دل سے قبول کریں۔

پاکستان کی کسی قیادت، اور کسی عالمی رہنما کو ان تاریخی حقائق اور حق و انصاف پر مبنی اس موقف سے ہٹ کر کوئی راہ اختیار کرنے اور جموں و کشمیر کے عوام کی قسمت سے کھیلنے کا اختیار نہیں۔ جس نے بھی اس کے برعکس کوئی راستہ اختیار کیا، یا کرے گا، اسے بالآخر منہ کی کھانا پڑے گی اور وہ حالات کو سنوارنے اور سنبھالنے کا نہیں مزید بگاڑنے کا باعث ہوگا۔ یہ تاریخ کا اٹل اصول ہے جو کسی کی خواہش یا سازش سے بدلا نہیں جاسکتا۔

کشمیر پر قراردادوں کی حیثیت

ماضی میں اقوام متحدہ کے ایک سیکرٹری جنرل کوفی عنان صاحب نے کہا تھا: ''کشمیر کے بارے میں قراردادوں پر کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ اس لیے اگر بھارت اور پاکستان دونوں درخواست کریں، تب ہی اقوام متحدہ کچھ کرسکتی ہے ورنہ وہ صرف دوطرفہ مذاکرات کی اپیل ہی کرسکتی ہے''۔ اور آج کے امریکی صدر ٹرمپ ہوں یا اقوام متحدہ کے موجودہ ذمہ دار، سبھی 'مذاکرات کی بحالی' پر زور دے رہے ہیں، حالاں کہ اصل مسئلہ، جموں و کشمیر کے عوام کے حقِ خودارادیت کا اور مقبوضہ کشمیر میں جبر اور ظلم کے راج اور وسیع پیمانے پر انسانی حقوق کی ایسی پامالی ہے، جو اَب نسل کشی (Genocide) اور آبادی کی نوعیت (demographic composition) ہی کو تبدیل کرنے کی طرف جارہی ہے۔ 'اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے ادارے' کی تازہ ترین رپورٹیں، اور 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' کی متعدد رپورٹیں اس کا کھلا ثبوت ہیں، جب کہ 'ورلڈ جینوسائیڈ واچ' (WGW) نے تو ان مظلوم کشمیریوں کی اجتماعی قبروں کی بھی نشان دہی کی ہے۔

اس میں پہلا سوال یہ ہے کہ کیا بین الاقوامی قانون، جنیوا کنونشن، قوموں کے درمیان معاہدات اور بین الاقوامی یقین دہانیاں کسی زمانی تحدید (Time limitation) کے پابند ہیں؟ ہمارے علم میں ایسا کوئی بین الاقوامی قانون، اصول یا روایت نہیں اور یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ اس طرح تو قانون محض ایک کھیل بن جائے گا اور معاہدات بے معنی اور بے وقعت ہوکر رہ جائیں گے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مکاؤ (Macau) کے علاقے پر پرتگالیوں نے ۱۵۵۷ء میں قبضہ کیا تھا اور وہ ان کے تسلط میں ساڑھے چار سو سال تک رہا۔ مگر یکم دسمبر ۱۸۸۷ء کے 'معاہدہ بیجنگ' کے تحت آخرکار ۲۲ دسمبر ۱۹۹۹ء کو چین نے اسے حاصل کرلیا، اور محض ایک طویل مدت تک قبضہ حقائق کو

بدلنے کے لیے وجہ جواز نہ بن سکا۔

کیا ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ کے بعد منظور ہونے والی قرارداد ۲۴۲ محض وقت گزر جانے سے ازکار رفتہ (out dated) ہوگئی؟ ۱۷۱۳ء میں یوٹرخت کا معاہدہ واقع ہوا جس کے تحت جبرالٹر کی حاکمیت اسپین سے برطانیہ کو منتقل ہوئی۔ اسپین کے دعووں کے باوجود کیا محض وقت کے گزرنے سے معاہدہ کالعدم ہوگیا؟ ۱۸۹۸ء میں ہانگ کانگ کا علاقہ برطانیہ نے چین سے حاصل کیا تھا، لیکن ۹۹ سال گزرنے پر برطانیہ کو معاہدے کو پورا کرنا پڑا۔ تائیوان کا معاہدہ بھی اسی طرح وقت گزرنے کے باوجود ایک زندہ مسئلہ ہے۔ مسلم ریاست انڈونیشیا کے علاقے مشرقی تیمور ہی کو لے لیجیے، جس پر اقوام متحدہ کی قرارداد تو ۱۹۷۵ء میں منظور ہوئی، لیکن عمل ۲۷ سال کے بعد ۲۰ مئی ۲۰۰۲ء کو ہوا، اور عیسائی اکثریت پر مشتمل مشرقی تیمور ایک الگ ملک کے طور پر وجود میں آیا۔ اسی طرح امریکی دھونس اور دباؤ کے نتیجے میں مسلم ریاست سوڈان کو دولخت کرنے کے لیے جنوری ۲۰۱۱ء کو ریفرنڈم کرایا گیا اور ۹ جولائی ۲۰۱۱ء کو جنوبی سوڈان پر مشتمل عیسائی ریاست قائم کردی گئی۔ اگر ۲۷ سال میں مشرقی تیمور کی قرارداد غیر مؤثر نہیں ہوئی، تو کشمیر کی قراردادیں کیوں غیر متعلقہ ہوگئیں؟

پھر کشمیر کی قرارداد کا معاملہ محض ایک قرارداد کا نہیں، ایک اصول کا ہے، یعنی حقِ خودارادیت۔ یہ اقوام متحدہ کے چارٹر کا بنیادی اصول ہے۔ دفعہ ۱، اقوام متحدہ کے مقاصد کا تعین کرتی ہے۔ اس کی شق ۲ میں صاف الفاظ میں اس مستقل اصول کو بیان کیا گیا ہے، یعنی:

> لوگوں کے حقِ خودارادی اور مساوی حقوق کے حصول کے احترام میں۔

اسی طرح دفعہ ۲ (۴) تمام رکن ممالک کو پابند کرتی ہے کہ:

> تمام ممبران اپنے بین الاقوامی تعلقات میں کسی ریاست کی سیاسی آزادی یا ملکی سرحدوں کے خلاف طاقت کے استعمال یا دھمکی سے احتراز کریں گے، یا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کریں گے جو اقوام متحدہ کے مقاصد کے خلاف ہو۔
>
> واضح رہے کہ حقِ خودارادیت اقوام متحدہ کے مقاصد میں سے ایک ہے۔

کشمیر کی قرارداد کا تعلق حقِ خودارادیت سے ہے جس پر وقت گزرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۴ء کی دو تاریخی قراردادوں میں بین الاقوامی

قانون کو واضح کیا گیا ہے۔ اسے اقوام متحدہ کے تمام ممالک نے بشمول امریکا، بھارت اور پاکستان نے تسلیم کیا ہے۔ ۱۹۷۰ء کا اعلامیہ: دوستانہ تعلقات اور تعاون کے حوالے سے بین الاقوامی قانون کے اصولوں کا اعلامیہ ہے اور ۱۹۷۴ء کے اعلامیہ کا عنوان: 'جارحیت کی تعریف پر قرارداد' ہے۔ یہ دونوں قراردادیں متفقہ طور پر منظور ہوئی ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے اعلامیے کی مزید اہمیت یہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کے ۲۵ سال پورے ہونے پر جس جنرل اسمبلی نے اس کا چارٹر قبول کیا تھا، اسی نے اسے منظور کیا ہے۔

ان قراردادوں میں جن دو بنیادی اصولوں کی وضاحت ہے، وہ دراصل اقوام متحدہ کے چارٹر کی توضیح ہے۔ جس میں حقِ خودارادیت اور طاقت کے استعمال کے اصول سرفہرست ہیں۔ اس میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ: طاقت کے استعمال کے نتیجے میں جو علاقہ حاصل ہوا ہو، اسے جائز تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ نیز یہ کہ نہ جارحیت کے نتیجے میں ملنے والے کسی خصوصی فائدے کو قانونی تسلیم کیا جائے گا۔

ان اعلانات کو اقوام متحدہ ہی کے اجلاس میں آسٹریلیا کے نمایندے نے چارٹر کی دفعہ ۱۳ کے حوالے سے بین الاقوامی قانون کا حصّہ قرار دیا تھا۔ (ملاحظہ ہو: بین الاقوامی قانون کی تدوین اور مرحلہ وار ارتقا میں ایک حصّہ، نوم چومسکی کی کتاب *Power and Prospects*، ۱۹۶۶ء، ص ۲۰۷)

بین الاقوامی قانون کی اس پوزیشن کی روشنی میں سلامتی کونسل کی قرارداد ۲۴ جنوری ۱۹۵۷ء پر نگاہ ڈال لیجیے جس میں مقبوضہ کشمیر کی اُس نام نہاد دستور ساز اسمبلی کو غیر مؤثر قرار دیا گیا ہے جس نے بھارت سے الحاق کی توثیق کی تھی، اور صاف الفاظ میں کہا ہے کہ اسمبلی کی قرارداد اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق اور اس کے انتظام میں استصواب رائے کا بدل نہیں اور کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ استصواب رائے کے ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے۔

اور اگر اس بارے میں کسی کو کوئی شبہہ ہو تو عالمی ماہرین قانون کے کمیشن کی اپریل ۱۹۹۴ء کی رپورٹ کا مطالعہ کرے جن میں کشمیریوں کے اس حق کا ان صاف الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے اور اسے وقت کی گردش سے آزاد حق مانا گیا ہے:

کشمیریوں کا حق اُس حق کی بنا پر ہے جو کسی علاقے کے غیر ملکی غلبے سے آزاد ہوتے

ہوئے وہاں کے لوگوں کو اپنے لیے یہ انتخاب کرنے کا ہوتا ہے کہ بعد میں قائم ہونے والی (Successor) ریاستوں میں سے کس ریاست میں شامل ہوں۔ یہ حق ایک قائم شدہ آزاد ریاست سے علاحدگی کے قابلِ بحث حق سے بالکل ممتاز اور جدا ہے اور یہ ہندستان سے اس کے علاقوں میں سے کسی کی علاحدگی کے لیے مثال نہیں بنتا۔

تقسیم کے نتیجے میں جموں وکشمیر کے عوام کو جس حقِ خودارادی کا استحقاق حاصل ہوا تھا، وہ ابھی تک استعمال نہیں ہوا اور نہ ختم ہوا ہے اور اس لیے آج بھی قابلِ استعمال ہے۔

اس لیے یہ سلامتی کونسل کی ذمہ داری ہے کہ امن عالم کو درپیش ہر خطرے کا خود نوٹس لے اور تمام ارکان کی طرف سے عملی اقدام کرے۔ دفعہ ۲۴ کے مطابق:

اقوامِ متحدہ کی جانب سے فوری اور مؤثر اقدام یقینی بنانے کے لیے اس کے ممبران عالمی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے کی اوّلین ذمہ داری سلامتی کونسل پر ڈالتے ہیں۔ وہ قرار دیتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے تحت اپنے فرائض کی ادایگی کا عمل سلامتی کونسل ان کی جانب سے کرتی ہے۔

اس میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ہر ملک کا اتفاق کرنا ضروری ہے یا اس کا اطلاق صرف باب ہفتم کی قراردادوں پر ہے۔ اس شرط کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ کبھی بھی کسی بھی جارح کے خلاف اقدام نہ ہوسکے کیونکہ وہ خود اپنے خلاف اقدام کو کیوں قبول کرے گا؟ یہی وجہ ہے کہ دفعہ ۲۵ میں کہا گیا ہے:

اقوامِ متحدہ کے ممبران موجودہ چارٹر کے مطابق سلامتی کونسل کے فیصلوں کو قبول کرنے اور بجالانے کو تسلیم کرتے ہیں۔

پھر دفعہ ۳۳ میں ہر تنازعے کے تمام فریقوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ خود، یا اقوامِ متحدہ کے ذریعے، تمام تنازعات کے پُرامن تصفیے کے لیے اقدام کریں گے۔ دفعہ ۳۶، اور ۳۷ کے تحت یہ سلامتی کونسل کی ذمہ داری ہے کہ مناسب اقدامات اور طریقۂ کار تجویز کرے، خصوصیت سے ان معاملات میں جہاں دفعہ ۳۳ کے تحت کارروائی نہ ہو پا رہی ہو۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اگر ان دفعات پر عمل نہ ہو رہا ہو تو یہ سلامتی کونسل کی ذمہ داری ہے کہ باب ہفتم کی دفعہ ۳۹-۵۱ کے تحت کارروائی کا اہتمام کرے۔

یہ یاد دلانے کی بھی ضرورت ہے کہ اعلانِ لاہور، معاہدۂ تاشقند یا شملہ معاہدہ دوملکوں کے درمیان معاہدے کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ۱۳/اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادیں بین الاقوامی معاہدات کی حیثیت رکھتی ہیں جن کے بارے میں ان کے چارٹر کی دفعہ ۱۰۳ یہ کہتی ہے:

> اقوام متحدہ کے ممبران کے فرائض میں، جو موجودہ چارٹر کے مطابق طے ہیں، اور کسی دوسرے بین الاقوامی معاہدے کے تحت فرائض میں اگر کوئی تنازع ہو، تو موجودہ چارٹر کے تحت متعین فرائض رُوبہ عمل آئیں گے۔

اس سب کی موجودگی میں اقوامِ متحدہ کے ذمہ داران اور دوسرے قائدین کا، اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کے نفاذ سے مجرمانہ پہلوتہی اور محض مذاکرات کی بات اس بات کا ثبوت ہے کہ اقوامِ متحدہ صرف طاقت ور ملکوں کے ہاتھوں میں کھلونا ہے۔ ان کے مفادات کے لیے تو سب دفعات حرکت میں آجاتی ہیں، خواہ معاملہ عراق کا ہو، یا مشرقی تیمور اور سوڈان کا۔ اور اگر ان کا مفاد نہ ہو تو کمزور ملکوں کو کوئی تحفظ حاصل نہیں، اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اپنے حقوق کے حصول کے لیے جو راستہ بھی انھیں نظر آئے خود اختیار کریں۔ چومسکی نے صحیح کہا ہے کہ یہی رویہ پورے عالمی نظام کے لیے خطرہ ہے:

> ایسے لوگوں کی قسمت داؤ پر لگی ہے جنھوں نے سخت تکلیفیں اُٹھائی ہیں اور اب بھی اُٹھا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عالمی نظام اور بین الاقوامی قانون کی بنیادیں بھی داؤ پر لگی ہیں بشمول طاقت کے استعمال اور ناقابلِ تنسیخ حقِ خودارادی کے یو این چارٹر کے اہم اصول کے، جو تمام ریاستوں پر لازمی اور فرض ہے۔ (کتاب مذکور، ص ۲۰۴)

حقِ خودارادیت ایک مسلّمہ قانونی حقیقت

جب عالمی طاقتوں اور خود اقوامِ متحدہ کا عملاً یہ حال ہو تو پھر کمزور ملکوں اور قوموں کے لیے کیا راستہ رہ جاتا ہے بجز اس کے کہ جو قوت بھی ان کو حاصل ہو ـــــ سیاسی اور عسکری ـــــ اسے اپنے حق کے دفاع اور اپنی آزادی کے حصول کے لیے استعمال کریں۔ عقل، اخلاق اور بین الاقوامی قانون مظلوم کو ظلم کرنے کے خلاف جدوجہد اور مقبوضہ علاقوں اور لوگوں کو اپنی آزادی کے لیے

قوت استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہیں اور اسے ان کا ایک جائز حق تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی قانون طاقت کے ہر استعمال کو تشدد اور دہشت گردی قرار نہیں دیتا۔ مبنی برحق جنگ جو دفاعی مقاصد کے لیے بھی ہوسکتی ہے اور آزادی اور حقوق کے لیے مثبت جدوجہد بھی، ایک معروف حقیقت ہے۔ اقوامِ متحدہ کے چارٹر میں دفاعی جنگ اور چارٹر کے تحت اجتماعی طور پر قوت کا استعمال اس کی واضح مثالیں ہیں۔ حق خودارادیت کے حصول کے لیے جو جنگیں لڑی گئیں، اقوامِ متحدہ نے ان کی تائید کی اور آزادی کے بعد انھیں آزاد مملکت تسلیم کیا۔ گویا بین الاقوامی قانون نے اس حق کو تسلیم کیا ہے۔ بین الاقوامی قانون کے ایک ماہر کرسٹوفر او کوئے (Christopher O. Quaye) نے اس اصول کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

> تقریباً تمام ہی آزادی کی تحریکوں کا ایک لازمی عنصر طاقت کا استعمال ہے۔ اقوام متحدہ نے اپنی قراردادوں میں جس تسلسل سے آزادی کی تحریکوں کی حوصلہ افزائی کی ہے اور کچھ کو جرأت مندانہ قرار دیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طاقت کے عنصر کو جائز قرار دیتی ہے۔ (*Liberation Struggle in International Law*، فلاڈلفیا، ٹمپل یونی ورسٹی پریس، ۱۹۹۱ء، ص ۲۸۲)

یہی مصنف صاف الفاظ میں لکھتا ہے کہ: ''دہشت گردی اور آزادی کی جدوجہد ایک جیسی سرگرمیاں نہیں ہیں'' (ص ۱۷)۔ نیز یہ کہ: ''اقوام متحدہ کے تمام ادارے جس ایک چیز پر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ حقِ خودارادی کی ہر جدوجہد قانونی اور جائز ہے''۔ (ص ۲۶۱)

بین الاقوامی امور کے وہ ماہر جو اس پوزیشن کو اتنے واضح الفاظ میں قبول نہیں کرتے، وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ قوت کے ہر استعمال کو دہشت گردی ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ بین الاقوامی تعلقات کی پینگوئن ڈکشنری میں اس بات کو یوں ادا کیا گیا ہے:

> دہشت گردی کے مسئلے پر ممانعت کرنے والا کوئی خصوصی معاہدہ تیار نہیں ہوسکا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ سیاسی ترجیحات کے حوالے سے اس کی تعریف میں مسائل ہیں۔ ایک کا دہشت گرد، دوسرے کا آزادی کا سپاہی ہے۔ اسی لیے بین الاقوامی قانون ابھی تک اس عمل کا احاطہ نہیں کرسکا ہے۔ (ص ۱۷۷)

لیکن اس کے ساتھ وہ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ حقِ خودارادیت ایک مسلّمہ حق ہے، جس کا تعلق ایک علاقے کے عوام کے اس حق سے ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں:

> سیاسی حقِ خودارادی لوگوں کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی تقدیر کا اپنے طریقے کے مطابق فیصلہ کریں۔ یہ تصور ۱۷۷۶ء کے اعلانِ آزادی اور ۱۷۸۹ء میں فرانس کے اعلان حقوقِ انسانی میں مضمر ہے۔ اقوام متحدہ نے مختلف مواقع پر یہ کوشش کی ہے کہ اس تصور کو نوآبادیاتی دور کے خاتمے کے ساتھ منسلک کرے اور اس طرح اسے محض ایک تمنا نہیں بلکہ قانونی حق اور مثبت فرض قرار دے۔ (ص ۴۷۷-۴۷۸)

ہارورڈ یونی ورسٹی کے پروفیسر سیموئیل پی ہن ٹنگٹن نے اپنی کتاب *The Clash of Civilizations and The Remaking of World Order* (نیویارک، ۱۹۹۷ء) میں دہشت گردی کے خلاف سارے غم و غصے کے باوجود یہ اعتراف کیا ہے:

> تاریخی طور پر دہشت گردی کمزوروں کا ہتھیار ہے، یعنی ان لوگوں کا جو روایتی عسکری طاقت نہیں رکھتے۔ (ص ۱۸۷)

اور اس خطرے سے بھی متنبہ کیا ہے کہ:

> دہشت گردی اور ایٹمی ہتھیار علاحدہ علاحدہ غیر مغربی کمزور قوموں کے ہتھیار ہیں۔ اگر، یا جب بھی، یہ ایک ہوئے، غیر مغربی کمزور ملک طاقت ور ہو جائیں گے۔ (ص ۱۸۸)

ہن ٹنگٹن کی بات تو ایک جملہ معترضہ تھی لیکن اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جموں و کشمیر کے عوام کا حقِ خودارادیت ایک مسلّمہ قانونی حق ہے اور اگر بھارت، اقوام متحدہ اور عالمی برادری اس حق سے ان کو محروم کرنے پر تلے ہوئے ہیں، تو انھیں اپنی آزادی کے لیے ہر طرح کی جدوجہد کا، بشمول قابض دشمن کے خلاف قوت کے استعمال کا، حق حاصل ہے اور اسے کسی طرح بھی دہشت گردی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

عسکریت اور دہشت گردی میں فرق

بھارت کے ایک چوٹی کے وکیل کے بالاگوپال (K Balagopal) وہاں کے اہم مجلّے اکنامک اینڈ پولیٹیکل ویکلی (۱۷ جون ۲۰۰۰ء) میں 'دہشت گردی' کے مسئلے پر TADA

(بھارت کا انسداد دہشت گردی کا قانون) پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'ٹاڈا' کے مقاصد کے لیے جسے دہشت گردی کہا جاتا ہے، وہ سیاسی عسکریت ہے۔ سیاسی اور اجتماعی عسکریت میں دہشت کا ایک عنصر، جو ضروری نہیں کہ کم ہو، شامل ہے لیکن یہ اصل بات نہیں ہے۔ اصل چیز جو اس کو ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ جرم نہیں ہے۔ (ص ۲۱۱۵)

بالا گوپال نے سیاسی عسکریت کو مجرمانہ دہشت گردی سے ممیز کیا ہے اور بھارتی قیادت کو متنبہ کیا ہے کہ:

اگر کوئی ایک لمحے کے لیے ہتھیاروں سے پرے دیکھ سکے تو وہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ کم از کم کشمیر اور ناگالینڈ میں عوام کی ایک بہت بڑی اکثریت، دیانت داری سے یہ سمجھتی ہے کہ ''ہم بھارتی نہیں ہیں اور ہم کو مجبور نہیں کیا جانا چاہیے کہ اپنے آپ کو بھارتی سمجھیں''۔ یقیناً یہ بہت ہی نامناسب ہے کہ اس وسیع البنیاد عوامی احساس پر انھیں سزا دی جائے۔ (ص ۲۱۲۲)

موصوف کے تجزیے کا حاصل یہ ہے کہ 'بھارت میں تشکیل کردہ اور نافذ شدہ قوانین جو ظالمانہ، استبدادی ذہنیت کے عکاس ہیں، کسی بھی جمہوری نظام کے لیے ناقابلِ قبول ہیں۔ وہ سیاسی عسکریت کا مداوا نہیں کرسکتے۔ اس کے لیے سیاسی عمل کی ضرورت ہے'۔

اس پس منظر میں اب یہ آوازیں بھی اُٹھ رہی ہیں کہ کشمیر میں عسکریت ظلم کی پیداوار ہے اور عوام کی مرضی کے خلاف ان کو محض بندوق کی گولی کی قوت پر زیردست رکھنا ممکن نہیں۔ اکانومک اینڈ پولیٹیکل ویکلی میں ایک مشہور صحافی گوتم ناولکھا (Gautam Navalakha) نے لکھا ہے:

یہ قابلِ ذکر ہے کہ عسکریت بھارتی [مقبوضہ] کشمیر میں شروع ہوئی۔ یہ ایک ایسے عمل کا نتیجہ تھا جو لوگوں کے ہتھیار اُٹھانے سے بہت پہلے شروع ہوا تھا، اور ایسا جب ہوا تھا جب قومی مفاد اور سلامتی کے نام پر ہر جمہوری راستے کو بند کر دیا گیا۔ اختلاف کو کچلا گیا۔ مطالبات مسترد کر دیے گئے۔ حکومت کی فوجی کارروائیاں کشمیری عوام کو مغلوب کرنے میں ناکام ہوگئیں۔ فدائیوں کے حملے روکنے کے لیے سیکورٹی فورسز کچھ زیادہ نہیں کرسکتی

ہیں۔ جموں وکشمیر میں CRPF کے انسپکٹر جنرل نے ایک انٹرویو میں کہا: ''مجھے صاف کہنا چاہیے کہ فدائی حملے کا سرے سے کوئی جواب نہیں ہے۔ فوج کا کم سے کم ایک حلقہ اس بارے میں واضح ہے کہ فدائی حملے جاری رہیں گے، جنگ بندی ہو یا نہ ہو اور کوئی فوجی حل نہیں ہے۔ کشمیر میں فوج کی تعداد میں مسلسل اضافہ اس کا ثبوت ہے۔ دباؤ کے تحت فوجیوں کا اپنے ہی ساتھیوں اور افسروں کا قتل کرنا خود اپنی کہانی کہہ رہے ہیں۔

یہ احساس اب تقویت پکڑ رہا ہے کہ عوام کو نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔ موصوف نے لکھا ہے:

جو لوگ ظلم و جبر کے تحت زندگی گزار رہے ہوں، جن کا وجود شناختی کارڈ سے ثابت ہوتا ہو، جن کی نجی زندگی کو جب چاہے برباد کیا جاسکتا ہو، جن کو احتجاج کے حق سے محروم کیا گیا ہو، ایسے لوگوں کے لیے آزادی اپنا ایک معنی رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے آزادی ان کی اور ان کی تہذیب کی بقا کے لیے ناگزیر ہوتی ہے۔ یہی واحد راستہ ہوتا ہے، جس سے وہ اپنی انسانی حیثیت کو حاصل کرسکتے ہیں۔ اس عوامی کیفیت (Mood) کی بہترین مثال [کشمیر میں] حزب المجاہدین کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ جو مکمل طور پر سب سے بڑے مقامی عسکری گروپ کی حیثیت سے متحرک نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں عوامی سوچ کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کہ عوام کی رضامندی نہ ہو تو عسکری اقدامات نہیں کیے جاسکتے۔ وہ اس موقف پر قائم ہیں کہ اصل فیصلہ کن عامل جموں وکشمیر کے عوام ہیں۔

جموں وکشمیر کے مسلمان جرأت اور استقامت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ان کی جرأت کا تو یہ حال ہے کہ وہ جنازوں میں شرکت کرتے وقت بھارتی فوجیوں کی بے رحمانہ فائرنگ تک کو پرِکاہ کی حیثیت نہیں دیتے۔ اسی لیے بھارت کے کچھ تجزیہ نگار اب یہ کہنے کی جرأت بھی کر رہے ہیں کہ 'سرحد پار دہشت گردی' کا واویلا مبنی برکذب ہی نہیں، حماقت ہے۔ نئی دہلی کے اخبار سنڈے پایونیر نے 'سرحد پار دہشت گردی' کے بارے میں کہا ہے:

یہ جھوٹ ہے اور خطرناک حد تک سادہ بات ہے۔ دہشت گردی عوامی بے اطمینانی سے پرورش پاتی ہے اور عوامی بے اطمینانی غیر ہمدردانہ حکمرانی سے پھیلتی ہے۔

مزید اعتراف کیا گیا ہے کہ:

تنازع کشمیر کا کوئی فوجی حل نہیں ہے۔ بھارتی فوجیں عوام کو قتل کرسکتی ہیں لیکن جدوجہدِ آزادی کو کچل نہیں سکتیں۔ یہ معلوم کرنا بے حد آسان ہے کہ ہم کشمیر پر کب اور کیوں ہولناک غلطی کا شکار ہوئے؟ جو بات آسان نہیں ہے، وہ واپس نکلنے کا راستہ معلوم کرنا ہے۔ جنگ بندی کوئی حل نہیں ہے۔ یہ مقصد کے حصول کا صرف ایک ذریعہ ہے۔

جس مقام پر اس وقت بھارت کی قیادت اور دانش ور ہیں، وہاں سے اگلا قدم اس کے سوا کچھ نہیں کہ انھیں جموں وکشمیر کے عوام کی مرضی کی بالادستی تسلیم کرنا ہوگی۔ پاکستان اور تحریک مزاحمت کی قیادت کا امتحان ہے کہ وہ اس نازک مرحلے کو صبر و ہمت اور جرأت و استقامت کے ساتھ اپنی جدوجہد جاری رکھنے اور تیز تر کرنے کے لیے استعمال کرے۔ ایک قدم کی لغزش بھی حالات کو متاثر کرسکتی ہے۔

یہاں اس بات کی یاد دہانی کی ضرورت ہے کہ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں بھی بھارت کی حکمت عملی یہی تھی کہ 'جنگ بندی' تسلیم کرلو مگر استصواب اور مسئلے کے حل کی بات مؤخر کردو۔ تاہم، ہمارا ہدف مسئلہ کشمیر کا منصفانہ حل ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اندرونی اور بیرونی دباؤ نہ صرف جاری رہے، بلکہ بھارت کے لیے اپنے قبضے کو باقی رکھنا عسکری، سیاسی اور معاشی، ہر اعتبار سے ممکن نہ رہے۔ گوتم ناولکھا نے بھارت کے طریق واردات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس پر پاکستانی قیادت اور صحافت کے ان کرم فرماؤں کو غور کرنا چاہیے، جو وقت بے وقت غیر مشروط مذاکرات کے لیے بے چینی کا مظاہرہ کرنے لگتے ہیں۔ گوتم نے بیان کیا ہے:

ماضی کا ایک پیغام ہے۔ بھارتی حکومت نے کئی بار یہ مظاہرہ کیا ہے کہ یہ اسی وقت بات سنتی ہے جب لوگ ہتھیار اُٹھا لیں۔ مسلح گروپوں کو سر پہ بٹھاتی ہے، مگر غیر متشدد تحریکوں کو حقیر گردانتی اور نظرانداز کرتی ہے اور یہ خواہ مخواہ کی بات نہیں ہے۔ حُریت کانفرنس نے غیر متشدد جدوجہد کو اختیار کیا ہے، مگر اسے مسلسل نظرانداز کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسے پُرامن مہم چلانے یا احتجاجی مظاہرے کرنے کا حق نہیں دیا گیا ہے۔ اس کے بالمقابل باغیوں کو تحریک پر حملہ کرنے اور نفرت کی بنیاد پر قائم شیوسینا، سنگھ پری وار اور پَنن کشمیر جیسوں کو کھلی آزادی دی گئی ہے۔ اس لیے یہ توقع کرنا کہ جنگجو مذاکرات کے لیے

پیشگی شرط کے طور پر غیر مسلح ہوجائیں، عبث ہے۔ رائفلیں بھی اس وقت تک خاموش نہیں ہوں گی، جب تک کوئی پُرخلوص کوشش نظر نہیں آتی۔

گذشتہ عشروں سے آزادی کے لیے ناگا تحریک [ناگالینڈ، شمال مشرقی ہند کی بھارتی ریاست ہے جہاں ۸۸ فی صد عیسائی، ۸ فی صد ہندو اور ڈھائی فی صد مسلمان ہیں] کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا ہے، وہ سامنے ہے۔ زیرزمین ناگا تحریک کے ساتھ کئی بار جنگ بندی ہوئی، جس کے بعد اعلیٰ ترین سطح پر مذاکرات ہوئے (کئی بھارتی وزیراعظم زیرزمین ناگا لیڈروں سے مل چکے ہیں)۔ حکومت نے ایسے ہر موقعے کو ان میں تفریق ڈالنے کے لیے استعمال کیا، اور ان کے ایک حصّے کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ تصفیہ کا اعلان کیا اور کہا کہ حالات معمول پر آگئے ہیں اور مسئلہ حل ہوگیا لیکن ناگا عوام ہر بار پھر بغاوت کرتے نظر آئے۔ مسلح جدوجہد کو شکست نہ دی جاسکی بلکہ بی ایس ایف خصوصاً فوج پھنس کر رہ گئی۔ بھارتی فوج کتنی ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، لیکن وہ پُرعزم عوام کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہ تلخ سبق بھارتی فوج نے ناگا زیرزمین سے اپنی جنگ میں سیکھا ہے۔ اب نہ صرف غیرمشروط مذاکرات ہورہے ہیں بلکہ تین سال کی ٹال مٹول کے بعد حکومت نے تسلیم کرلیا ہے کہ مطالبے کے مطابق جنگ بندی تمام ناگا علاقوں کے لیے ہے۔

اسی طرح حُریت کانفرنس اور پاکستان کے ساتھ غیرمشروط مذاکرات کے بغیر امن کا عمل سطحی ہوکر رہ جاتا ہے۔ جموں و کشمیر میں ایک طرف ایسے اقدامات ضروری ہیں کہ قانون کی حکمرانی بحال ہو اور دوسری طرف ایسے اشارے ہوں جس سے بھارت اور پاکستان میں امن چاہنے والوں کو تقویت ملے۔

بھارتی قیادت کی ہٹ دھرمی اور چال بازیوں، اقوام متحدہ اور بڑی طاقتوں کی بے حسی اور بے توجہی، تحریک مزاحمت کی قربانیاں اور خود بھارت میں ایک نئی سوچ کے آثار تقاضا کرتے ہیں کہ ثابت قدمی کے ساتھ منزل کی طرف بڑھا جائے۔ اصولی موقف پر دل جمعی اور استقامت سے تحریک آزادی کی مکمل حمایت اور ممکنہ مدد و استعانت کی جائے۔ عالمِ اسلام اور دنیا کی تمام انصاف پرور اور آزادی پسند قوتوں کو متحرک اور منظم کرنے کی جان دار مہم چلائی جائے۔

ایک ہی راستہ

کشمیر کے مسلمانوں کے معروضی حالات کا جائزہ لیا جائے، تو اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ بھارتی ظلم کے خلاف ہر ممکن ذریعے سے جہاد کیا جائے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس پر کاربند رہ کر اہل جموں و کشمیر اپنے ایمان، اپنی آزادی اور اپنی ثقافت و تہذیب کی حفاظت کر سکتے ہیں اور ان کی اس جدوجہد میں مدد ہی کے ذریعے پاکستانی قوم اپنا فرض ادا کر سکتی اور خود اپنی سرحدوں کی حفاظت کر سکتی ہے۔ بلاشبہہ جہاد اور محض جنگ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور خود قرآن نے 'حرب' کی اصطلاح کو ترک کر کے 'جہاد' کی اصطلاح کو اختیار کر کے ان کے فرق کی ہم کو تعلیم دی ہے۔

جہاد، فی سبیل اللہ کی شرط سے مشروط ہے اور ان آداب اور احکام کے فریم ورک میں اسے انجام دیا جاتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں۔ نیز جہاد ان ہی حالات میں فرض ہوتا ہے جو شریعت نے طے کر دیے ہیں۔ ان تمام اُمور کی روشنی میں، فلسطین ہو یا جموں و کشمیر، جو جدوجہد مسلمان کر رہے ہیں، وہ جہاد ہے۔ اس میں ان کی مدد و نصرت تمام مسلمانوں پر اور خصوصیت سے پاکستانی مسلمانوں پر لازم ہے۔

بنیادی اقدامات

ہم ۲۷ ستمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں وزیراعظم عمران خان کی مؤثر اور مدلل تقریر کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اس معنویت کی تحسین کرتے ہیں کہ انھوں نے ثالثی کی نعرے بازی کو اپنے خطاب میں کوئی جگہ نہیں دی اور پوری توجہ، حقِ خود ارادیت پر مرکوز کیے رکھی۔ یہی درست، قانونی اور اخلاقی موقف ہے۔

تاہم، بھارت اس وقت جس دلدل میں پھنسا ہے، اس سے نکلنے کے لیے حسبِ روایت وہ جو ہتھکنڈے استعمال کرے گا، ان کا ادراک ضروری ہے:

- پاکستان پر امریکا اور دوسری طاقتوں کا دباؤ بڑھانے کے لیے راستے تلاش کرے گا اور اس دباؤ میں کوشش ہوگی کہ پاکستان، بھارت کے ساتھ کوئی نہ کوئی معاملہ طے کرے۔ اگر کسی دباؤ میں آ کر انحراف کا کوئی راستہ اختیار کیا گیا تو وہ پسپائی ملک کے لیے اور تحریکِ آزادی کے لیے بہت نقصان دہ ہوگی۔ حکومت اور قوم دونوں کے لیے اس میں بڑی آزمایش ہے اور ہم واضح کر دینا

چاہتے ہیں کہ یہ حکومت کے اخلاص، وژن اور ہمت کے امتحان کا وقت ہوگا۔

● ہم جموں وکشمیر میں بھارت کی طرف سے قوت کے جارحانہ استعمال کے امکانات بھی دیکھ رہے ہیں۔ کھسیانی بلی صرف کھمبا ہی نہیں نوچتی، بلکہ اپنے ہدف کا بدن بھی نوچنے پر اُتر آتی ہے، جس کے امکانات ہیں۔ کشمیر کی تحریک مزاحمت کے لیے یہ سخت امتحان کا مرحلہ ہے اور اسے اس کے لیے ضروری تیاری اور پیش بندی کرنی چاہیے۔

● بھارت کی جانب سے تخریب کاری میں اضافے کے خطرات بھی نظر آرہے ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ اس سے پیدا ہونے والی صورتِ حال میں حکومت پاکستان پر دباؤ ڈالا جائے کہ خود کشمیر سے متعلق کچھ میدانوں میں پسپائی اختیار کرے، بالکل جس طرح جنرل پرویز مشرف کے ہاتھوں خود کشمیری مجاہدین پر پابندی لگائی یا ان کی حوصلہ شکنی کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں مقتدر حضرات کے بعض بیانات میں تضاد تشویش میں اضافے کا باعث بن رہا ہے۔ یاد رہنا چاہیے کہ فرقہ واریت، بعض علاقوں میں قوم پرستانہ خون خرابہ یا تخریب کاری کا کوئی تعلق، کسی بھی حوالے سے مسئلہ کشمیر سے نہیں ہے۔ تاہم، جموں وکشمیر میں جاری جدوجہد کو کمزور کرنے کی ایک بھارتی سازش کا حصّہ ضرور ہیں اور اس کا مقابلہ حکومت، حُریت پسند تنظیموں اور خود پاکستانی اور کشمیری عوام کو کرنا چاہیے۔

● ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ بھارت نواز لابی پاکستان میں ایک بار پھر متحرک ہوگی۔ پاکستان میں معاشی حالات کی ابتری کا نام لے کر سارا ملبہ دفاعی اخراجات، امن و امان کے مسائل، غربت اور بے روزگاری، قرضوں کے بوجھ پر ڈال دیا جائے گا۔ اور پھر معاشی مشکلات کے نام پر کشمیر کے مسئلے پر سمجھوتا اور امریکا اور بھارت کے نقشۂ کار سے ہم آہنگی کی باتیں کی جائیں گی۔ ۵/اگست کے بھارتی اقدام نے اس لابی پر ایک ضرب لگائی ہے، لیکن یہ اس کے باوجود متحرک ہے اور سیکولر عناصر سے اس کو کمک مل رہی ہے۔ ایسی اندرونی کش مکش ملک کو کمزور کرنے اور تحریکِ آزادیِ کشمیر کو سبوتاژ کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے، جس کا تدارک ضروری ہے۔ درست قومی موقف پر پوری قوم کو متحرک کر کے اور افہام وتفہیم کے ساتھ اس چیلنج کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

● پاکستان اور بھارت کے درمیان مذاکرات، تناؤ، تصادم اور پھر حالات کے معمول پر آنے کی کئی سطحیں ہیں۔ حکمرانوں کی تبدیلی کے ساتھ پاکستان میں موسموں کی تبدیلی کے آثار

نمایاں ہوتے ہیں، لیکن 'برہمنی ذہنیت' اپنی جگہ سے سرمو نہیں ہٹتی۔ اُن کی جانب سے اگر کبھی تناؤ کی تبدیلی کا کوئی اشارہ ملتا یا قدم اُٹھایا جاتا ہے، تو وہ محض وقتی طور پر، عالمی دباؤ کو گھٹانے یا دھوکا دینے کے مترادف ہوگا۔ وگرنہ ہر اعتبار سے پالیسی کا ایک تسلسل اور 'مَیں نہ مانوں' کی تکرار ہی رہتی ہے۔

اس لیے ہم واضح لفظوں میں یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ گذشتہ چند ہفتوں کے دوران بھارت کی جانب سے درندگی اور غیرانسانی اقدامات کی بدترین مثالیں قائم کرنے کے نتیجے میں بھارتی حکومت، عالمی سطح پر دباؤ میں آئی ہے۔ ماضی کا تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ بھارت بہت جلد، ممکن ہے دو ماہ کے اندر ''مذاکرات شروع کرنے پر راضی'' ہونے کی چمک دکھائے۔ جو درحقیقت مسلم دنیا کے ایک حصّے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور عالمی سطح پر اقوام کو فریب دینے کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔

ایسا موقع جب بھی آئے گا اور جلد آئے گا، تو پاکستان کے حکمرانوں کو ہوشیار رہنا ہوگا کہ وہ موجودہ نفرت پرور بھارتی آر ایس ایس مافیا کے اپنے ایجنڈے کے تحت مذاکراتی پیغام ہوگا۔ اس لیے پاکستانی پارلیمنٹ اور دفتر خارجہ اور میڈیا کو ان امکانی چالوں کا پیشگی اندازہ ہونا چاہیے اور کشمیر کی مناسبت سے گذشتہ تمام ''پاکستان بھارت مذاکرات'' کا ایک زائچہ مرتب کر کے نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہیے کہ مذاکرات کب اور کس شکل میں شروع ہوئے؟ ان سے بھارت نے کیا حاصل کیا؟ مذاکرات کیسے اور کن چالوں سے ختم کیے گئے؟ ان کے بعد فضا میں تناؤ کو بڑھانے کے لیے کس نوعیت کی نعرے بازی کی گئی؟ اور اس ساری مشق کے دوران کشمیر کے مظلوموں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے اور عتاب نازل کرنے کا موسم کس طرح گولہ بارود کی بارش کرتا رہا؟

● مسئلہ کشمیر نہ غیرمشروط مکالمے کا تقاضا کرتا ہے اور نہ ثالثی جیسے پھندے کو چُومنے اور خوشی خوشی اپنے آپ کو باندھنے کا پیغام دیتا ہے۔

ہم بڑے واشگاف لفظوں میں یہ بیان کیے دیتے ہیں کہ مسئلہ کشمیر نہ دوطرفہ مسئلہ ہے، نہ تولیت کا معاملہ ہے، اور نہ ثالثی کی کاک ٹیل پارٹی کا سامانِ ضیافت۔

اس معاملے میں پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس میں بنیادی فریق کشمیر کے عوام اور ان کی وہ قیادت ہے، جس نے مسلسل جدوجہد آزادی کی قیادت کی، صعوبتیں برداشت کیں اور قربانیاں دی ہیں۔ اس لیے کبھی اور کسی سطح پر اس نوعیت کی حماقت کا

ارتکاب نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ صدر جنرل پرویز مشرف نے بھارت کو پیش کشوں کے ذریعے کیا تھا۔ یہ چیز قومی موقف کی نفی اور عالمی فیصلوں سے رُوگردانی تھی اور اگر آیندہ کسی نے ایسا کیا تو وہ گویا آگ سے کھیلے گا۔

۵/اگست ۲۰۱۹ء کے بھارتی حکومت کے غیرآئینی اور غیراخلاقی اقدامات کے بعد، اعلانِ تاشقند اور شملہ معاہدہ کی کھائیوں میں پھنسے مخمصے کا خاتمہ ہوگیا ہے۔ بھارت نے یک طرفہ طور پر ان معاہدوں میں دوطرفہ مکالمے کے ڈھانچے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ آج ۶۰ روز کے بدترین کرفیو اور بھارتی فیصلوں سے پیدا شدہ تناؤ، بھارت کے خلاف فضا کو نام نہاد دوطرفہ مذاکرات کا موضوع نہیں بننا چاہیے۔ تمام ظلم، دھاندلی اور وعدہ خلافیوں سے لتھڑے بھارتی حکمرانوں کے ساتھ ملاقاتوں کے لیے پاکستان کو 'اعتماد سازی' جیسی نفاق پر مبنی اصطلاح کا اسیر نہیں بننا چاہیے، بلکہ مسئلہ کشمیر پر اس عالمی بیداری کو، اقوام متحدہ کے تحت حل کرانے اور حقِ خودارادیت کے حصول کی طرف توجہ مرکوز رکھنی چاہیے۔

اگر آج پھر اس بے معنی مذاکراتی چکّر میں پھنس گئے تو ۳۵-الف کی ترمیم چند برسوں میں مسلم آبادی کا توازن بگاڑ کر رکھ دے گی اور ممکن ہے چند تاجروں کو بھی کچھ مادی فائدہ پہنچ جائے، لیکن اس سے مسئلہ کشمیر پھر ایک طویل عرصے کے لیے مزید گہرے کنویں میں ڈبو دیا جائے گا۔

اندریں حالات دفتر خارجہ کو پوری توجہ اور قوت اس جانب لگانی چاہیے کہ ہم کسی ایک بڑے یا چھوٹے ملک، مسلم یا غیرمسلم ملک کی 'ثالثی' کے زہر کا پیالہ نہیں پئیں گے، بلکہ ہم سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عمل درآمد کرائیں گے اور انھی کو مانیں گے۔ اس اصولی موقف سے جب بھی ایک انچ قدم پیچھے ہٹایا گیا تو یاد رکھیے یہ بدترین غداری ہوگی۔

● بلاشبہہ مسلم ممالک کے ایک مؤثر حصّے نے کشمیر اور پاکستان کے عوام کو شدید مایوس کیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تمام معاملات کا جائزہ لے کر ٹھنڈے دل و دماغ سے حکمت عملی تیار کرنی چاہیے اور اُن ممالک کے اعصابی مراکز اور ذمہ داران سے مدلل طریقے سے اور مسلسل مکالمہ جاری رکھنا چاہیے۔ یہ چیز اگر فوری نتیجہ نہیں نکالتی، تو اس کے باوجود اُس افسوس ناک جھکاؤ میں ٹھیراؤ، اور پھر مناسب تبدیلی لاسکتی ہے۔

● ہمارے لیے ضروری ہے کہ مناسب سفارتی آداب کے دائرے میں ربط وتعلق اور عالمی سطح پر بھارت پر سیاسی اور معاشی دباؤ کو بڑھانے کی منظم کوششیں جاری رکھیں۔ یہ سب کام ہمہ وقتی جدوجہد کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کے لیے حکومت اور قوم کو یک جان ہوکر صف آرا ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس سلسلے میں صحیح اور مؤثر حکمت عملی اختیار کرنے اور اس پر پوری قوت سے عمل کرنے کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہے کہ ۵/اگست کے مودی اقدام نے جو آگ لگائی ہے، وہ خود اس کے اقتدار کے لیے خطرہ بن جائے گی اور کشمیری عوام جو بھارت سے آزادی حاصل کرنے اور اپنے مستقبل کی دینی ونظریاتی بنیادوں پر تشکیل نو کے لیے جس جذبے اور قومی یک جہتی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، ان شاءاللہ کامیابی سے ہم کنار ہوں گے۔

● ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کشمیر کے سلسلے کی تمام منصوبہ بندی، پالیسی سازی، مذاکرات اور سفارت کاری میں حکومت کو پوری قومی یک جہتی کے ساتھ تمام اقدام کرنے چاہییں۔ کشمیر صرف حکومت کا مسئلہ ہے اور نہ حزبِ اختلاف کا۔ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے اور اس میں قومی اتحاد اور یک جہتی اوّلین ضرورت ہے۔ ریاست کے تمام اداروں، حکومت، پارلیمنٹ، فوج، انٹیلی جنس میں بھی یک جہتی اور تعاون ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ جموں وکشمیر کی قیادت کو اعتماد میں لیا جائے۔ پوری دنیا میں تحریک کی تقویت اور کامیابی کے لیے جو جدوجہد کی جائے، صحیح منصوبہ بندی کے ساتھ قومی اتفاق رائے اور پاکستان اور کشمیر کی قیادتوں کے اشتراک سے عمل میں آئے۔

● ملک کے اندرونی حالات کی اصلاح اور استحکام اور فوج اور قوم کا ہر خطرے کے لیے تیار رہنا بھی اس منصوبہ بندی کا اہم حصّہ ہے۔ مؤثر سفارت کاری، تحریک آزادیِ کشمیر کی مدد ومعاونت، عالمی رائے عامہ کی بیداری (mobilization)، میڈیا اور سوشل میڈیا کا مؤثر استعمال، بھارت کے اصل چہرے اور عزائم کو بے نقاب کرنا، خود بھارت میں جو لہر مودی کی پالیسیوں کے خلاف پائی جاتی ہے اسے تحریکِ آزادیِ کشمیر کے حق میں استعمال کرنا ـــــ تحریک آزادیِ کشمیر کے موجودہ مرحلے کا ناگزیر تقاضا ہیں۔

زنیرہ کومل، کیلے فورنیا یونی ورسٹی میں پی ایچ ڈی کی طالبہ نے اپنے مضمون: Untill Kashmir is Free, War It Will Be (*Milestones: Commentry on the Islamic*

World ۲۱/اگست ۲۰۱۹ء) میں ایک کشمیری نوجوان لڑکی جس کا نام احتیاطاً تبدیلی کے ساتھ عائشہ بتایا گیا ہے کہ اس کے دو بھائی یکے بعد دیگرے جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں اور وہ خود ہسپتال میں زیرعلاج ہے۔ وہ اپنے جذبات، احساسات اور عزائم کا اظہار اپنے اشعار میں کرتی ہے۔ ہم اس کے چند اشعار پر اپنی گزارشات کو ختم کرتے ہیں اور اللہ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ مظلوموں کی اس جدوجہد کو جلد کامیابی سے ہم کنار فرمائے گا:

کہتے ہیں کشمیر جنّت ہے
جنّت کسی کافر کو ملی ہے، نہ ملے گی
اے کافرو! ہٹ جاؤ کشمیر ہمارا ہے
سارے کا سارا ہے
میں کہتی ہوں کشمیر کی آزادی تک
جنگ رہے گی، جنگ رہے گی

عائشہ کے اشعار ایک فرد کے نہیں، ایک قوم کے جذبات، احساسات اور عزائم کے آئینہ دار ہیں۔ دو بھائیوں کی قربانی دے کر اور خود زخم کھا کر پوری قوم کی آواز بن گئے ہیں۔ جس قوم کی ستم زدہ اور زخموں سے چور لڑکیوں کے یہ عزائم اور یہ اُمنگیں ہوں، ان کو گولی اور چھرّوں سے خاموش اور محکوم نہیں بنایا جاسکتا۔